حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

کے

حفاظتِ دین اور قیادتِ مسلمین کے آثار و مراکز

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت دارالعلوم ندوۃ العلماء

لکھنؤ

بار اوّل

۱۴۱۸ھ ——— ۱۹۹۷ء

کتابت ——— حفیظ الرحمٰن حامد

طباعت ——— لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس

صفحات ——— ۲۴

قیمت ——— دس روپئے

باھتمام

محمد غفران ندوی

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت دار العلوم ندوۃ العلماء

لکھنؤ

تعارف

ذیل کا فکر انگیز مضمون مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی کی وہ تقریر ہے جو ۲۳ رصفر ۱۴۱۸ھ (۳۰ جون ۱۹۹۷ء) کو دار العلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں طلباء و اساتذہ کے سامنے کی گئی، یہ تقریر رسالہ "تعمیر حیات" ۱۰ اگست ۹۷ء میں شائع ہوئی، پھر مولانا نے اس پر نظر ثانی کی اور خفیف ترمیم و اضافہ فرمایا، وہ طلباء دار العلوم ندوۃ العلماء، نیز دوسرے صحیح العقیدہ، صحیح الفکر مدارس عربیہ کے اساتذہ و طلبہ کے مطالعہ اور غور و فکر کے لیے مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کی جاتی ہے، وعلی اللہ قصد السبیل وھو الموفق والمعین

محمد رابع حسنی ندوی

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علی سیّد المرسلین
وخاتم النبیین محمّد وآلہ وصحبہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان و
دعا بدعوتھم إلی یوم الدین، امّا بعد!

میرے عزیزو! کوئی علمی بات، مخلصانہ مشورہ، ہدایت اور نصیحت انفرادی طور پر کی جاتی ہے تو اس کی قدر وقیمت بڑھ جاتی ہے اور اثر بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن اگر یہی باتیں جلسہ عام میں کی جاتی ہیں تو جتنا مجمع زیادہ ہوتا ہے اسی اعتبار سے حصّہ رسدی کم ہو جاتا ہے، اندیشہ ہے کہ آپ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ ایک عام تقریر ہے جو جلسۂ عام میں کی جاسکتی تھی، کسی پبلک ہال میں کی جاسکتی تھی، تو ہم آپ سے یہ درخواست کریں گے کہ آپ یہ نہ سمجھیں، بلکہ یہ سمجھیں کہ جیسے آپ پانچ، سات، دس آدمی ہمارے پاس آئے اور کہا کہ آپ ہمیں مشورہ دیجئے کہ ہم دارالعلوم کے نظام تعلیم، اس کے نصاب درس، یہاں کے اساتذہ اور علمی ماحول سے کیسے فائدہ اٹھائیں، ہم اپنی زندگی کو کس رُخ پر ڈالیں اور کن مقاصد کو ہمیں اپنانا چاہئے، دارالعلوم کے مطالبات اور تقاضے کیا ہیں، ہم اپنی استعداد کیسے پختہ کریں تاکہ دورِ جدید کے فتنوں کا مقابلہ کرسکیں۔ آپ نے ہم سے

عزیزانہ، سعیدانہ اور فرزندانہ طریقہ پر سوال کیا، جیسے آپ رائے بریلی یا یہاں کے مہمان خانہ میں ہم سے سوالات کرتے ہیں، ہم بھی آپ سے اسی طرح باتیں کریں گے آپ بھی ان باتوں کو اسی طرح سنئے گا، اسی کان سے سنئے گا، اسی دل سے قبول کیجئے گا۔

دارالعلوم کی بنیاد اور اس کی علمی و فکری ترقی کا معیار کیا ہے

عزیزو! پہلی بات آپ کو یہ معلوم ہونی چاہیئے کہ آپ جس دارالعلوم میں پڑھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس ادارہ میں آپ کو پڑھنے کا موقع دیا، اور شرف بخشا ہے اس کی بنیاد کیا ہے، اس کی علمی و فکری ترقی کا معیار کیا ہے؟

تاریخ کے ایک مصنّف اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تعلیمی، فکری ہی نہیں بلکہ خاندانی تعلّق کی بنیاد پر کہتا ہوں اور اس بنا پر کہتا ہوں کہ ندوۃ العلماء کے بانیوں کے حالات سے الگ الگ واقف ہوں، ایک ایک کے مسلک ایک ایک کے مقاصد اور ایک ایک کی فکر سے واقف ہوں، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دارالعلوم ندوۃ العلماء (اور دوسرے صحیح الفکر و الاعتقاد مدارس) ہندوستان کی دو عہد ساز شخصیتوں کے مدرسۂ فکر پر قائم ہوا ہے، ایک حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۳۴ھ) دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) یہ دونوں اس کے اصل بانی، اس کے روح رواں، اس کے رہبر اور معیار ہیں، اس کی علمی ترقی کا بھی معیار ہیں اور اس کے فکری ارتقاء کا بھی معیار ہیں اور اس فکر کی اشاعت اور جدّ و جہد کا بھی

معیار ہیں۔

اس دارالعلوم کے اصل بانی دو شخصیتیں ہیں ایک مجدّد الف ثانیؒ دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔

یہی دوؒ اس کے روح رواں اس کے رہبر اور معیار ہیں، اس کی علمی اور فکری ارتقاء کا معیار بھی یہی دونوں ہیں۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان

حضرت مجدّد الف ثانیؒ وہ ہیں جنھوں نے پورے برصغیر میں انقلاب برپا کردیا جن کے مکاتیب آپ کو پڑھنا چاہیے، ہم آپ کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ یہیں یا یہاں سے نکلنے کے بعد ان کے مکتوبات پڑھیں، اب ہندوستان میں بہت کم لوگ رہ گئے ہیں جو ان کے مکتوبات سے فائدہ اٹھاتے ہیں، خدا آپ کو اس کی توفیق دے کہ آپ ان کے مکتوبات پڑھیں یا کم از کم یہاں کے زمانۂ قیام میں "تاریخ دعوت وعزیمت" کا چوتھا حصّہ پڑھیں، جو انھیں کے حالات کے ساتھ مخصوص ہے، اقبالؔ نے بہت صحیح ان کا تعارف کرایا ہے ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان	اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے	جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

یہ وہ مجدّد صاحب ہیں جو بدعت حسنہ کے بھی قائل نہیں، میں آپ کو ان کے ایک مکتوب کا اقتباس سناتا ہوں، جس میں دین کی حمیّت اور شریعت کے بارے میں ان کی غیرت وحسّاسیّت صاف نظر آتی ہے۔

ایک معاصر نے اپنے خط میں شیخ عبدالکبیر یمنی کی (جو غالباً شیخ محی الدین ابن عربی اور بعض مشائخ تصوّف سے متاثر تھے) ایک ایسی تحقیق لکھی جو اہلِ سنّت والجماعت اور اجماع امّت کے خلاف تھی، حضرت مجدّد صاحبؒ نے اس کے جواب میں جو طاقتور مکتوب لکھا اس کی نظیر نہیں ملتی۔

فرماتے ہیں:۔ "مخدوما! ایں فقیر تاب استماع ایں چنیں کلمات ندارد، بے اختیار رگ فاروقیم در حرکت می آید، شیخ عبدالکبیر یمنی باشد یا محی الدین ابن عربی، مارا محمد عربی در کار ست نہ ابن عربی، فتوحات مدنیہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ اند، مارا بہ نص کار است نہ بہ فص"[1]

شیخ محی الدّین ابن عربی جن کے ذریعہ وحدۃ الوجود کا عقیدہ تمام دنیا میں پھیلا اور بڑے بڑے عارفین باللہ اور بڑے بڑے مشائخ اس کے قائل ہی نہیں اس کے داعی بلکہ اس پر مصر تھے، ان کی دو کتابیں ہیں ایک فتوحات مکیہ ہے جس میں انھوں نے وحدۃ الوجود کے عقیدہ کی صاف صاف تبلیغ کی ہے، اور اس کو پیش کیا ہے، دوسرے فصوص الحکم،

مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

مخدوما! اس طرح کی باتوں کے سننے کی میرے اندر تاب بھی نہیں، بے اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے، اور تاویل و توجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامیؒ

---

[1] مکتوب ۱۰۰/۲ بنام ملا حسن کشمیری

ہمیں کلامِ محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار ہے، نہ کہ کلام محی الدین بن عربی، صدرالدین قونوی، اور شیخ عبدالرزّاق کاشی، ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے، فتوحاتِ مدینہ نے فتوحاتِ مکیہ سے مستغنی بنادیا۔

یہ سب مجدّد صاحبؒ کا فیض ہے

جس وقت ہندوستان کے تخت پر ۹۶۴ھ میں جلال الدّین اکبر بیٹھا ہے اسلام کی آمد پر ایک ہزار سال ہو رہے تھے، ایرانیوں کی ایک جماعت نے ایک گہری سازش کی کہ پوری دنیا کو یہ باور کرائیں کہ اسلام اور دینِ محمدی کا دور ختم ہو گیا، اس جماعت نے یہ اصول اکبر کے ذہن نشین کرا دیا، کہ ہر مذہب کی عمر ایک ہزار سال ہوتی ہے، یہودیت ہزار سال رہی پھر ختم ہو گئی، عیسائیت ختم ہوئی، پھر اسلام آیا، اب اس کو ایک ہزار سال ہو رہے ہیں،

اس جماعت نے اپنی ذہانت سے سمجھا کہ اس بات کو قبول کرنے اور اس کو پوری طاقت سے نافذ کرنے والا وہ ہو سکتا ہے جو زیادہ پڑھا لکھا اور متشرع نہ ہو، اس جماعت نے اکبر کا انتخاب کیا جس کی سمجھ میں اُن کی یہ بات آگئی اور وہ الحاد کے راستہ پر پڑ گیا، وہ برہمنوں، پنڈتوں اور علماء کو جمع کرا کے بحث کرواتا تھا، پھر لادینیت کو تسلیم کیا جاتا تھا،

ایسے نازک وقت میں مجدّد صاحبؒ اور ان کا خاندان سامنے آتا ہے، اس خاندان نے اس ملک کو اس خطرہ سے محفوظ کر دیا کہ یہاں لادینیت کا دور دورہ ہو جائے، اسلام کا رشتہ اس ملک سے کٹ جائے اور دینی حس

ختم ہو جائے۔

میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اور خانۂ خدا میں بیٹھ کر کہتا ہوں کہ اس ملک میں دین جتنا اور جہاں بھی صحیح شکل میں پایا جاتا ہے، اس میں بڑا حصہ حضرت مجددؒ صاحب اور ان کے خاندان کا ہے۔

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانیؒ نے تقریر کرتے ہوئے ایک بار فرمایا کہ لوگ اس تاریخی حقیقت پر غور نہیں کرتے، سرسری انداز میں گذر جاتے ہیں کہ عام طور پر جب بادشاہ جاہل ہو، مخالف دین ہو، اس میں کوئی خرابی ہو، تو اس کے بعد اس کا جو جانشین آتا ہے، وہ اس سے بدتر ہوتا ہے، وہ اس میں اپنی سعادت سمجھتا ہے کہ اپنے والد اور سابق بادشاہ کے طریقہ پر قائم رہے، لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ اکبر کے بعد جب جہانگیر ہوا تو وہ اس سے بہتر ہوا، دین پر قائم رہا اور بعد میں حضرت مجدد صاحبؒ کا معتقد بھی ہو گیا تھا، پھر جہانگیر کے بعد شاہجہاں ہوا تو اس سے بہتر تھا، وہ جب تخت طاؤس پر بیٹھا جو بڑے فخر کی بات تھی تو وہ اتر گیا، نماز پڑھی اور سجدہ کیا اور کہا کہ فرعون بڑا کم عقل اور کم ظرف تھا کہ مصر کے تخت پر بیٹھا اور خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا، میں تخت طاؤس پر بیٹھ کر سجدہ کرتا ہوں، شاہ جہاں کے بعد اورنگ زیب عالمگیر ہوا (جن کو ہمارے فاضل دوست وادیب شیخ علی الطنطاوی چھٹے خلیفہ راشد سے تعبیر کرتے ہیں، ان کے نزدیک حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد پورے عالم اسلام میں عالمگیر جیسا متبع سنت صاحب حمیّت اور اسلامی قانون اور اسلامی شریعت کا جاری کرنے والا پیدا نہیں ہوا) اس میں جو راز ہے وہ یہ کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کا خاندان

اندر اندر کام کر رہا تھا، اور متاثر کر رہا تھا، حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ جو حضرت مجدد صاحبؒ کے ممتاز ترین فرزند تھے، اور جن سے ان کا سلسلہ پھیلا ہے وہ عالمگیر کو شہزادگی کے دور میں جب خط لکھتے تو انھیں "شہزادۂ دین پناہ" سے خطاب کرتے،

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ دار العلوم ندوۃ العلماء اور صحیح الفکر و حامل دعوت مدارس و مراکز باقی رہیں گے، اور اگر خدا کو ان کی حفاظت مطلوب اور محبوب ہے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے راستہ پر رہیں گے، اگر یہ دار العلوم دونوں کے راستے سے ہٹا تو یہ دار العلوم وہ دار العلوم نہیں ہوگا جس کی بنیاد حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ مولانا سید ظہور الاسلام فتح پوری، مولانا سید عبد الحی رائے بریلویؒ، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب سہارنپوریؒ، منشی اطہر علی کاکورویؒ اور مولانا شبلی نعمانیؒ نے ڈالی تھی، یہ بات آپ یاد رکھئے کہ یہ دار العلوم حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے راستے پر ہے۔

امتیازی خصوصیات

عزیزو! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان دونوں کے طریقۂ عمل، ان کی دعوت، ان کی تحریک اور ان کی جدوجہد کی چند امتیازی خصوصیات ہیں۔

(۱) عقیدۂ اسلام :- سب سے پہلے اس اسلامی عقیدہ کو پورے طور پر قبول کر لینا جو صحابۂ کرام کا عقیدہ تھا، جو تابعین عظام، ائمہ اربعہ اور مجددین و مصلحین کا عقیدہ تھا۔

(۲) دوسری بات ہے اشاعت دین، یعنی اس دین کی اشاعت و تبلیغ کی جائے۔
(۳) اور تیسری بات جو ان دونوں حضرات کا خاصہ ہے، وہ "حمایت دین" بلکہ "حمیتِ دین" ہے، بہت سے ایسے حضرات ہیں ہم ان کی قدر کرتے ہیں، احترام کے ساتھ ہم ان کا نام لیتے ہیں، ان کے یہاں اشاعت دین کا جذبہ تھا، لیکن وہ چیز جس کو دینی غیرت اور حمیّت کہتے ہیں، وہ ان کے یہاں یا کم از کم ان کے حالات میں زیادہ نمایاں نہیں معلوم ہوتی، ان دونوں حضرات کی خصوصیت یہ ہے کہ اشاعت دین کے ساتھ حمیّت بھی تھی، یہ بہت اہم چیز ہے، کہ دین مخالف اور اس کے منافی کوئی چیز برداشت نہ ہو، اس کی نیند اڑ جائے، کھانا پینا بھول جائے اور اس کو ایک سخت کرب اور شدید درد لاحق ہو جائے، یہ بات اور حضرات میں تھی لیکن ان دو حضرات میں سب سے نمایاں تھی۔

شاہ ولی اللہؒ کی خصوصیت اور ان کے کارنامے

حضرت شاہ صاحبؒ نے ہماری معلومات کے مطابق سب سے پہلے ہندوستان میں حدیث شریف کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا وہ حجاز گئے اور وہاں عرب اساتذہ سے انھوں نے حدیث پڑھی اور اس کی سند حاصل کی پھر یہاں آکر انھوں نے حدیث کا درس شروع کیا، ہماری محدود معلومات کی حد تک صحاح ستہ کی تدریس کا رواج اس سے پہلے ہندوستان میں نہیں تھا، یہ کام حضرت شاہ صاحب نے شروع کیا، آپ کسی عالم سے حدیث پڑھئے اور سند لیجئے تو یہ سلسلہ شاہ ولی اللہؒ تک

پہنچتا ہے، پھر اور یمنی اور حجازی سلسلہ ہے خاص طور سے صحیحین کا درس، پھر ان کی شرح و تحشیہ کا کام اور ان کی خدمت۔

ان کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کے تراجم کا سلسلہ شروع کیا، یہ بات شاید بہت سے لوگوں کے لیے انکشاف ہوگی، کہ یہاں کے بہت سے علماء قرآن مجید کا دوسری زبانوں میں ترجمے کو خطرناک سمجھتے تھے، اس کی دو وجہ تھی ایک تو یہ کہ وہ جو اہل ہویٰ وہوس تھے وہ سمجھتے تھے کہ اس سے ہماری فرماں روائی چلی جائے گی، ہماری سرداری اور ہمارے مطاع ہونے کی جو حیثیت ہے اور ہماری بات کو اللہ و رسول کی بات کی طرح لوگ سمجھتے ہیں، ہماری یہ حیثیت ختم ہو جائے گی، ہماری خیریت اسی میں ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ یہاں کی زبانوں میں نہ ہو، ایسے دنیا پرست علماء قرآن مجید کے ترجمے کو بدعت بتاتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

شاہ صاحب نے اس کی طرف توجہ کی ان کے دونوں صاحبزادوں نے اردو میں ترجمے کئے، ایک شاہ رفیع الدین کا ترجمہ جو لفظی ہے، اور ایک شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ جو بے نظیر ہے، اس میں خاص اللہ تعالیٰ کی مدد معلوم ہوتی ہے، اگر وقت ہوتا تو میں تفصیل سے آپ کو مثالیں دے کر بتاتا۔

یہاں صرف دو مثالیں دیتا ہوں، قرآن مجید میں ہے "قالوا بعزۃ فرعون انا لنحن الغالبون"، زمخشری جیسے ادیب مفسر کو بھی "عزۃ" کا مفہوم ادا کرنے میں دشواری پیش آئی ہے، عام طور پر اس کا ترجمہ "فرعون کی عزت" "فرعون کا غلبہ" کے الفاظ سے ادا کیا جاتا ہے، شاہ صاحب جو دہلی کے رہنے

والے تھے وہ درباری زبان سے واقف تھے۔ اور محاوروں کو بھی جانتے تھے وہ خود فرماتے تھے کہ جب کسی آیت کا ترجمہ سمجھ میں نہیں آتا تو بازار چلا جاتا تھا، لوگوں کی باتیں سنتا کہ وہ کس طرح اس مفہوم کو ادا کرتے ہیں، شاہ صاحب نے بعزّۃ فرعون کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب ہوں گے، درباریوں اور خوشامدیوں کی زبان ایسی ہی ہوتی ہے،

شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ میں صوتی آہنگ کا بھی خیال رکھا ہے، "فدمرناھا تدمیرا" (سورہ بنی اسرائیل) کا ترجمہ کیا ہے، جب اکھاڑ مارا ان کو اٹھا کر۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا تیسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے توحید خالص پر بہت زیادہ زور دیا، ان کے پوتے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے کتاب "تقویۃ الایمان" لکھی جس سے زیادہ صاف، واضح اور طاقت ور کتاب توحید کے موضوع پر ہمارے علم میں نہیں، اس کتاب کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ اس سے ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں کو ہدایت ملی ہے، حضرات علمائے دیوبند و مظاہر علوم اور علمائے ندوہ سب اس کے قائل تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب داللہ ان کے درجات بلند فرمائے ہمیں اس کتاب کے عربی میں ترجمہ کا حکم دیا، ہم مدینہ منورہ میں تھے، جانا بھی تھا، گاڑی مسجد نبویؐ کے دروازہ مجیدی پر کھڑی تھی، سامان رکھا جا چکا تھا کہ نماز پڑھیں اور روانہ ہو جائیں، حضرت شیخ الحدیث نے پیغام بھیجا کہ ترجمہ

کا کام شروع کرکے جائیں، ہم نے روضۃ من ریاض الجنۃ میں عزیزی محمد واضح سلمہٗ کو سامنے بٹھا کر ترجمہ کا کام شروع کر دیا، ہمیں صاف معلوم ہوا کہ یہ کتاب عند اللہ وعند الرسول مقبول ہے، جو کچھ لکھا تھا وہ حضرت شیخ کو سنایا گیا، حضرت نے سن کر بڑی دعائیں دیں، جب اس کتاب کا ترجمہ "رسالۃ التوحید" کے نام سے مکمل ہو کر شائع ہو گیا تو ہم نے ایک بڑے سعودی عالم جو جامعہ اسلامیہ کے استاذ بھی تھے ان کو یہ کتاب پڑھنے کو دی، عام طور یہ سمجھا جاتا ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی کتاب "کتاب التوحید" سب سے بڑھی ہوئی ہے اور ان کے متبعین تو اس کے سوا کسی کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، لیکن انھوں نے سعودی اور "وہابی" ہونے کے باوجود صاف صاف کہا کہ "یہ تو توحید کی منجنیق ہے یہ تو پتھراؤ کرتی ہے۔"

تو شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان نے توحید خالص، قرآن کی اشاعت اور حدیث شریف کی خدمت انجام دی، آج اس ملک میں جہاں بھی حدیث شریف پڑھائی جاتی ہے، وہ سب فیض ہے شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے خاندان کا۔

شاہ صاحبؒ نے اس پر اکتفا نہیں کر لیا، بلکہ انھوں نے اپنی خداداد فراست سے محسوس کیا کہ اب جو دور آنے والا ہے وہ عقلی دور ہوگا، عقلی طور پر متاثر کرنے والا دور ہوگا، اس کے لیے انھوں نے حجۃ اللہ البالغہ جیسی بے نظیر کتاب لکھی، جو جدید علم کلام کا بہترین نمونہ ہے۔

یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ جہاد کی تحریک شاہ صاحبؒ

ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی، مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کے لیے (جن سے دہلی کے مسلمانوں کی جان اور عزت محفوظ نہیں تھی) شاہ صاحبؒ نے احمد شاہ ابدالی کو افغانستان سے بلایا جس نے مرہٹوں کو ایسی شکست فاش دی کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ مرہٹواڑہ میں کوئی گھر نہیں بچا جہاں ماتم نہ ہوا ہو، سب سے پہلے حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا۔

ٹیپو سلطان شہیدؒ کا بھی روحانی تعلق حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے خانوادہ سے تھا، انگریزوں کے حقیقی خطرہ کا ادراک سلطان ٹیپو نے کیا، اس کے خاندان کا تعلق روحانی حضرت سید احمد شہیدؒ کے نانا شاہ ابو سعید، حقیقی چچا سید نعمان خاص طور سے شاہ ابو اللیث سے تھا، جو سید صاحبؒ کے حقیقی ماموں تھے۔

عزیزو! ایک جسمانی نسب نامہ ہوتا ہے، ایک علمی و دینی نسب نامہ ہوتا ہے اور ایک اعتقادی نسب نامہ ہوتا ہے، آپ اس علمی و فکری نسب نامہ کو ہمیشہ یاد رکھیے، اس نسب نامہ کو آپ نہ یہاں بھولئے اور نہ اپنے گھر جا کر بھولئے کہ ہم سب حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خاندان کے فیض یافتہ اور ان کے تربیت یافتہ ہیں۔

نئے دور کے فتنوں کے مقابلہ میں ندوۃ العلماء کا کارنامہ

عزیزو! ندوۃ العلماء نے اپنے قیام کے بعد ہی سے وقت کے فتنوں کو نہ صرف پہچانا بلکہ ان کا مقابلہ بھی کیا، ان فتنوں میں قادیانیت اور عیسائیت کے فتنے تھے، جن کا مقابلہ بانی ندوۃ العلماء مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے کیا،

ہم نے خود یہ واقعہ مونگیر میں سنا کہ جب قادیانیوں کا بہار میں خطرہ محسوس ہوا، تو مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری کو قادیانیوں سے مناظرہ کے لیے مدعو کیا، ادھر مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری قادیانیوں سے مناظرہ کر رہے تھے، اِدھر مولانا سید محمد علی مونگیری سجدہ میں دعا و گریہ زاری میں مصروف تھے، یہاں تک کہ کسی نے آکر سنایا کہ قادیانیوں کو شکست ہوئی اور وہ جوتے چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں، تب جاکر مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔

دوسرا فتنہ "روشن خیالوں" کا تھا جنھوں نے ایک بڑا ادارہ قائم کیا، اس جماعت کے لکھنے والوں نے دین کے حقائق کو بدل کر پیش کیا، اس کی وجہ سے اسلامی عقیدہ میں ایک تزلزل اور خطرہ پیدا ہوا، ان روشن خیالوں کا سب سے بڑا نشانہ غیبی حقائق اور معجزات تھے، وہ معجزات کی ایسی تاویل کرتے کہ وہ معجزہ ہی نہ معلوم ہوتا، اپنی تفسیروں میں انھوں نے خاص طور سے اس پر زور دیا۔

ندوۃ العلماء نے اس طبقہ کو راہ راست پر لانے کے لیے اپنے نصاب میں انگریزی کا اضافہ کیا، اس کے ساتھ اس نے اس بات پر بھی زور دیا کہ نئے اسالیب بیان اور نئے طرز فکر سے طلبہ واقف ہوں اور کون سا فتنہ کہاں اٹھ رہا ہے، اور کیوں یہ فتنے اُٹھ رہے ہیں، اور کس زبان اور اسلوب میں اٹھ رہے ہیں ان سے واقف ہوں،

ان روشن خیالوں کے مقابلہ کے لیے علامہ شبلیؒ کا قلم چلا، پھر مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبد الباری ندوی کا قلم چلا، پھر تو ندوی فضلاء نے ان فتنوں کا بھی تعاقب کیا جو عالم عربی میں قومیت عربیہ اور "تجدد" و "تنور"

کے نام سے اٹھے تھے۔

ندوۃ العلماء کے بانیوں اور منتظمین نے ہمیشہ نصاب کو "وسیلہ" سمجھا "غایت" نہیں، غایت و مقصد میں ترمیم نہیں ہوتی لیکن وسیلہ میں ترمیم ہوتی ہے، درسِ نظامی میں بھی برابر ترمیم ہوتی رہی، ہمارے والد صاحب مولانا حکیم سیّد عبدالحیؒ کا فاضلانہ مقالہ "ہندوستان کا نصاب درس اور عہد بعہد اس کے تغیرات" کا آپ مطالعہ کیجیے، تو معلوم ہوگا کہ کس دور میں کون سی کتاب پڑھائی جاتی تھی، اور کب اس میں تبدیلیاں ہوئیں، اس طرح ندوۃ العلماء نے اپنے نصاب میں تاریخ و جغرافیہ کا بھی اضافہ کیا۔

عربی زبان کی تدریس ایک زندہ زبان کی حیثیت سے

عزیزو! ندوۃ العلماء کے بانیوں اور اس کے روشن ضمیر کارکنوں نے اس وقت یہ محسوس کرلیا کہ اب تک دینی مدارس میں عربی زبان اس حد تک پڑھائی جارہی ہے کہ تفسیر و حدیث اور فقہ کی کتابیں سمجھ سکیں (اللہ تعالیٰ ان مدارس کے بانیوں کی محنتوں اور کوششوں کو قبول فرمائے) لیکن اب جو دور آنے والا ہے اس میں اس سے کام چلنے والا نہیں ہے، اب تو عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے کہ وہ دعوت اور تصنیف و تقریر کی بھی زبان ہے، پڑھایا جانا ضروری ہے، اس زمانہ میں ہندستان کا عالم عربی سے زیادہ تعلق بھی نہیں تھا، صرف حجّاج کی حجاز آمد و رفت رہا کرتی تھی، حیرت ہوتی ہے کہ مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے حجاز کے دوران قیام میں ہمارے والد صاحب کو خط لکھا

تھا کہ یہاں ایک عالم جن کو عربی پر بڑی قدرت ہے، عربی میں اچھی تقریر کرتے ہیں، میں ان کو راضی کر رہا ہوں، کہ وہ دارالعلوم جائیں، اور وہاں عربی زبان کا درس دیں، آپ اس کا خیال رکھئے کہ طلبہ کو عربی زبان میں مہارت پیدا ہو، اور اس میں وہ تقریر کر سکیں،

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بھائی صاحب ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبد العلی صاحبؒ کی نگرانی وہدایت پر ندوۃ العلماء نے عربی کے ابتدائی نصاب کی ترتیب کا کام شروع کیا جو اس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک تھا، اور وہ عالم عربی میں بھی مقبول اور کہیں کہیں رائج ہوا۔

اپنی استعداد کیسے مضبوط بنائیں.

عزیزو! دنیا کی تمام زبانوں میں عربی زبان سب سے زیادہ حسّاس، ذکی الحس اور عزت مند زبان ہے، ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ قرآن کی زبان ہے، پیغام الٰہی کی زبان ہے، تعلیمات نبویؐ کی زبان ہے، اس کے علاوہ دو چیزیں اور ہیں ایک اعراب جو کسی اور زبان میں نہیں، دوسرے مختلف المخارج اور مختلف الاصوات حروف جو دوسری زبان میں نہیں، ذرا سی غلطی سے زیر کو زبر اور منصوب کو مجرور پڑھنے اور ث کو س کی طرح بولنے سے سب پر پانی پھر جائے گا، آپ ایسی استعداد بنائیے کہ صحیح اعراب پڑھ سکیں، اور صحیح مخارج سے حروف کو ادا کر سکیں۔

ایک بار ہمیں جامعہ دمشق میں جس کا وائس چانسلر ایک عیسائی فاضل تھا

اور جس کے جلسہ میں فضلائے دمشق اور ممبران پارلی منٹ شریک ہونے والے تھے فلسطین کے قضیہ پر مقالہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی، ہم نے العوامل الاساسیۃ لکارثۃ فلسطین، (المیہ فلسطین کے بنیادی اسباب) کے موضوع پر مقالہ لکھا، اس کو جلسہ میں پڑھنے سے پہلے احتیاط کے طور پر علامہ بہجۃ البیطار کی خدمت میں گئے، اور عرض کیا کہ آپ ہمارے استاد مولانا سید سلیمان ندوی کے دوست ہیں، براہ کرم آپ ہمارا یہ مقالہ سن لیجئے کہ شاید کوئی غلطی ہو، انھوں نے فرمایا کہ نہیں تم کو اس کی کوئی ضرورت نہیں، تم تو ماذا خسر العالم کے مصنف ہو، پھر بھی ہم نے ان کو اپنا پورا مقالہ سنادیا، انھوں نے کہیں نہیں ٹوکا، ہم سے کہا کہ آپ ال کے استعمال کرنے میں بہت محتاط ہیں۔ ہندوستانی علماء جا و بے جا الف لام استعمال کرتے ہیں، پھر انھوں نے لطیفہ سنایا کہ ایک ہندوستانی عالم ایک عرب عالم کے پاس آئے اور کہا کہ انا ذاھب من المکۃ الی مدینۃ فھل لک حاجۃ؟ اس جملہ کو سن کر ان عرب عالم نے کہا کہ حاجتی الوحید ۃ أن تاخذ الالف واللام من مکۃ وتضعھما علی المدینۃ۔ الف لام ان عالم صاحب نے مکہ پر لگادیا جبکہ اس پر الف لام نہیں آتا،

ہم سے بعض عربوں نے شکایت کی کہ ہندوستان کے عالم و داعی آتے ہیں، مساجد میں ان کی تقریر کا اعلان ہوتا ہے، ہم بیٹھ جاتے ہیں، لیکن چند ہی جملوں کے بعد بیٹھنا مشکل ہوجاتا ہے،

آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کو عرب ممالک نہیں جانا ہے، آپ کو جانا ہے،

لیکن ملازمت کے لیے نہیں، امام وخطیب بن کر نہیں، صرف پیسہ کمانے کے لیے نہیں، بلکہ داعی بن کر، یا معلّم بن کر جانا ہے، آپ ابھی سے درسی استعداد پختہ کریں تاکہ کوئی اعرابی غلطی نہ ہونے پائے، جو بھی درسی کتاب پڑھیں پوری توجہ اور انہماک سے اس کی تیاری کریں، اپنے فاضل اساتذہ سے معلوم کریں کہ ان کی مستند شرحیں اور مصادر ومراجع کون سے ہیں، پھر ان کا گہرا مطالعہ کریں، اور بھرپور علمی تیاری کریں،

آخری بات

آخری بات یہ ہے کہ آپ علوم دینیہ میں رسوخ پیدا کیجئے، یہاں جو علمی ودینی ماحول ہے، آپ کے جو مشفق اساتذہ ہیں ان سے فائدہ اٹھائیے، یہ فضا اور ماحول اور اساتذہ آپ کو کالجوں یونیورسٹیوں میں نہیں ملیں گے، ہم نے مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے بارے میں کہا تھا کہ ان کی ایک بڑی خصوصیت رسوخ فی العلم تھی، بہت سے علماء ایسے ہیں جو دوسرے کاموں میں لگ جاتے ہیں تو ان کو علم میں رسوخ نہیں رہتا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہاں سے صحیح الفکر بنا کر کامل مدرّس اور پختہ کار مصنّف اور مبصّر بنا کر اور داعی بنا کر نکالے، اور جو فتنے اٹھ رہے ہیں جیسے قادیانیت، الحاد ودہریت، اور روشن خیالی کے فتنے کہ دین پر کھلی تنقید کرتے ہیں، اور کفر وایمان اور حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے، ان سب فتنوں کا آپ کو مقابلہ کرنا ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ آپ سب کو حضرت مجدّد

الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مسلک، ان کے مکتب خیال اور مدرسۂ فکر پر چلنا ہے، اور اسی میں اپنی سعادت سمجھنا چاہیئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

پاجا سراغ زندگی

از: مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی

مدارسِ اسلامیہ، ملت کے لئے مردم سازی و آدم گری کے کارخانے اور علم و دین کے قلعے ہیں، جن کی اہمیت ان کی عظیم ذمہ داریوں کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے، اس طرح طالبانِ علومِ نبوت جو دہریت و الحاد کے اس دور میں حقیقی و مفید علوم اور ایمان و عمل صالح کے علمبردار ہیں انھیں اپنے کو اخلاص و اختصاص اعلیٰ صلاحیت، عصری واقفیت اور ایمان و عملِ صالح کا صحیح نمونہ اور مثالی مردِ مومن بنانا چاہیئے۔

اس کتاب میں

اس اہم حقیقت کو بڑے ایمان افروز، یقین آفریں اور حوصلہ افزا اور ایک بلند سطح سے مؤثر و دلنشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے ـــــ طلبہ و اساتذہ مدارس اور عام مسلمانوں کے لئے ایک نشانِ منزل، چراغِ راہ اور صحیح معنوں میں سُراغِ زندگی ہے۔

ناشر: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسلام کے قلعے

(مدارس دینیہ عربیہ)

اور

علماء ربّانی کی ذمّہ داریاں

از

مولانا سیّد ابو الحسن علی حسنی ندوی

شائع کردہ
شعبۂ تعمیر و ترقّی پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ

دینی عربی مدارس کا

تعلیمی، تربیتی اور وطنی کردار

اور

ہندوستان کے لیے ان کا باعثِ افتخار ہونا

ایک تاریخی جائزہ اور ان کے ساتھ سلوک و معاملہ کا دیانتدارانہ محاسبہ

از

مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی

ناشر:۔ شعبۂ نشر و اشاعت ندوۃ العلماء لکھنؤ

آئندہ نسلوں کے اسلام کی ضمانت

اور

ایمان کی حفاظت کی ذمّہ داری

قرآن مجید اور اسوۂ انبیاء کی روشنی میں دینی تعلیم کی اہمیت و ضرورت کے موضوع پر

دو ایمان افروز و ولولہ انگیز تقریریں

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ